پروفیسر محمد یونس میو*

فقہ اسلامی کی تشکیلِ جدید میں اصول وکلیات کی اہمیت

فقہ اسلامی کے ماخذ سے فقہی اصوؔل وکلیات کا قریبی تعلق ہے(۱)۔ یہ تعلق اس قدر قابل بیان ہے کہ بعض ماخذ فقہ ایسے ہیں جن کو اصول وکلیات میں بھی بڑی اہم جگہ دی گئی ہے۔ مثلاً ''عرف ورواج'' فقہ اسلامی کا گیارھواں ماخذ ہے جس کے بارے میں فقہانے کہا ہے۔ فقہانے عرف ورواج کونہایت اونچادرجہ دیا ہے ان کا قول ہے کہ عادت فیصلہ کن چیز ہے''(۲) دوسری طرف فقہی کلیات(۳) میں بھی عادت کی حیثیت ایک فیصلہ کن امر کی ہے۔ نیز اس کی شرح میں حاصل بحث کے طور پر یہ لکھا ہے'' کہ فقہانے مقررہ حدود وقیود کے مطابق عادت کونہایت اونچامقام دیا ہے اور اس کی وجہ سے حالات ومقامات کے لحاظ سے احکام میں تبدیلی کی ہے(۴) بشرطیکہ عادت کا ظہور کسی نص کے خلاف نہ ہو۔(۵) ''فقہ اسلامی کے ماخذ اور اصول وکلیات میں اسی قربت کی بناپر اسلام نے ان کلیات سے احکام کی جمع وتدوین میں کافی مدد لی ہے(۶) ان ماخذ وکلیات کے بنیادی اصول تین ہیں یعنی عدم حرج' قلت تکلیف اور تدریج۔(۷) اس کا مطلب ہے کہ ماخذ فقہ کی مدد سے جو بھی فقہ تشکیل پائے گی اس میں اصول وکلیات کی اعانت کو مدنظر رکھا جائے گا۔ فقہا نے کلیہ کی یہ تعریف کی ہے۔

کلیہ: ''ایسا حکم جو اپنی تمام جزئیات پر حاوی ہو''(۸)

الفرع: الفرع فی المسائل العلمیہ' مسائل قیاسیہ یعنی وہ مسائل جو کسی دوسری چیز پر مبنی ہوں اور اس پر ان کو قیاس کیا گیا ہو' اس کے مقابل اصل ہے(۹)۔ قواعد کلیہ ایسے عام اصول ہوتے ہیں جن کے تحت اکثر جزئیات آتے ہیں اور ان کی بنیاد اکثریت پر ہوتی ہے(۱۰)۔ شریعت میں ''قواعد کلیہ'' کی مثالیں یہ ہیں۔

''ناحق قتل کا حرام ہونا' ناجائز طریق پر لوگوں کا مال ہضم کرنا کا حرام ہونا اور زنا وغیرہ کا حرام ہونا۔ یہ قواعد کلیہ بقول شاطبی کے ایسے ابدی قواعد ہیں جن پر دنیا پیدا کی گئی ہے اور جن پر لوگوں کی اصلاح موقوف ہے۔ انہیں کے مطابق شرع اسلامی کے احکام آئے ہیں۔ یہ ایسے قواعد کلیہ ہیں جو قیامت تک باقی رہیں گے(۱۱)۔

ایسے ہی کچھ اور کلیات ہیں: مولانا محمد تقی امینی نے ان کلیات کی تعداد سو (۱۰۰) تک بیان کی ہے۔ دراصل یہ

* اسسٹنٹ پروفیسر۔ گورنمنٹ کالج آف کامرس' ڈسکہ

وہ بنیادی اصول ہیں جن کی بنیاد قرآن و حدیث کی روشنی میں حکمتِ دین پر رکھی گئی ہے۔ دینِ اسلام کی روح کے مطابق ان کلیات کی تخریج ہوئی ہے وران کی روشنی میں اجتہادات ہوتے ہیں۔ یہ دین مبین کے آئینے میں ہر دور کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہوتے ہیں اور انسانی فطرت کے قریب ہوتے ہیں۔

جیسا کہ فلسفہ شریعت اسلام کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ قواعد کلیہ ابدی ہوتے ہیں۔ فقیہہ درپیش مسائل کو ان کلیات کے ذیل میں رکھ کر مسئلہ کا جائزہ لیتا ہے اور پھر فتویٰ دیتا ہے۔ ایک ایک کلیہ سے متعدد مسائل اخذ کئے جاسکتے ہیں اور ان مسائل کے اسباب وعلل ایک کلیہ کے تابع ہوتے ہیں۔ گویا یہ کہنا بجا معلوم ہوتا ہے کہ اب فقہ اسلامی کے قواعد کلیہ'' میں تو اجتہاد کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ لیکن فروعی مسائل میں اجتہاد شریعت اسلامی کے دوام اور ہمہ گیریت کیلئے بہت ضروری ہے جیسا کہ صبحی محمصانی نے لکھا ہے۔ '' چونکہ فروعی احکام کے علل واسباب ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں لہذا ان کیلئے ایک ایسا قاعدہ کلیہ ہونا چاہیے جس کا دائرہ اطلاق تمام فروعی احکام کو محیط ہو''[۱۲]۔

یہاں کچھ کلیات اوران کے تابع مسائل واحکام واجتہادات کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ '' فقہ اسلامی کے قواعد کلیہ میں اجتہاد کی ضرورت نہیں لیکن فروعی مسائل میں اجتہاد جاری ہے۔

معروف کلیہ ہے'' المشقة تجلب الیسر یعنی مشقت سہولت لاتی ہے۔ اس کلیہ میں ایک بحث یہ ہے کہ مشقت کا اطلاق کس کس چیز پر ہوتا ہے۔ مولانا محمد تقی امینی نے اس بارے میں بڑی تفصیل فرمائی ہے[۱۳]۔ ڈاکٹر صبحی محمصانی نے ایک جامع جملہ بیان کیا ہے۔ یہاں تفصیل کی بجائے صرف اس جملہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

'' مشقت کے مفہوم میں مجبوری اور ضرورت دونوں داخل ہیں مگر تعیشات داخل نہیں[۱۴]۔

فقہاء نے اصولی طور پر مشقت کی دو قسمیں بیان کی ہیں'' واقعی اور وہمی'' اول الذکر واقعی مشقت' کی وضاحت اس مثال سے کی جاتی ہے۔'' وہ مریض جس نے روزہ رکھ کر ابھی نہیں دیکھا کہ وہ مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے گا۔ لیکن تجربہ اور مستند حکیم کی رائے پر اس کو یقین ہے کہ روزہ رکھنے میں انتہائی مشقت برداشت کرنی پڑے گی۔ چونکہ مریض کے لئے شریعت میں رخصت موجود ہے اس لئے ایسے مریض کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ گو اس نے اس کا حالیہ تجربہ نہیں کیا ہے[۱۵]۔ قرآن مجید میں اس اصول کی بنیاد ان آیات پر رکھی گئی ہے۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر[۱۶] - لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا[۱۷]

یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفاً[۱۸]

اس کلیہ کی روشنی میں فقہا نے اس قسم کے احکام کا استنباط کیا ہے۔ مثلاً جب ثابت ہو جائے کہ قرض دار یک مشت قرضہ ادا نہیں کرسکتا تو قسط مقرر کرنا جائز ہوگا[۱۹] اسی طرح'' مجلہ''[۲۰] میں ہے کہ کسی نے وقت مقررہ کے لئے کشتی کرائے پر لی۔ ہنوز کشتی سمندر میں ہی تھی کہ وقت مقررہ ختم ہوگیا۔ تو ضرورت کے باعث کرایہ کا معاہدہ اس وقت تک باقی رہے

گا جب تک کشتی ساحل تک نہ پہنچ جائے [۲۱]۔ دورِ حاضر میں ایک دیہی معاشرے میں اس کی یہ مثال دی جاسکتی ہے۔

''ایک زمیندار نے اپنی زمین ٹھیکہ پر دی۔ کاشت کار کی فصل ابھی زمین میں کھڑی ہے۔ لیکن مدت معاہدہ ختم ہوجاتی ہے۔ تو یہ معاملہ فصل کی کٹائی تک مؤخر کردینا ہوگا۔

''بیع بالوفا' کا جواز کہ جب اہل بخارا پر قرضے کا بار زیادہ ہوا تو اس کی ضرورت پڑی اور انہیں قرض کی زحمت سے بچانے کے لئے بیع بالوفا کو جائز قرار دیا گیا [۲۲]۔ یہاں یہ امر لائق توجہ ہے کہ بلاشبہ ضرورت کے وقت ممنوع چیزیں مباح ہوجاتی ہیں [۲۳]۔ لیکن یا قاعدہ عام نہیں ہے۔ بلکہ یہ رعایت نص' مقدار اور وقت کی شرائط سے مشروط ہوگی [۲۴]۔ دینِ اسلام ایک فطری دین ہے جو اعتدال و توازن کی تعلیم دیتا ہے۔ عدل اور توازن تنگی اور حرج کا رفع چاہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ماجعل علیکم فی الدین من حرج [۲۵]

مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھر کم [۲۶]۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم پر تنگی نہیں چاہتا البتہ وہ تمہیں پاک و صاف رکھنا چاہتا ہے۔ ان آیات کی روشنی میں فقہاء نے ایک اصول کا استنباط کیا ہے۔ "الحرج مرفوع" یعنی حرج اٹھایا گیا ہے۔

مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کو اُس کی جائز خواہشات و مرغوبات سے روک دیا ہے [۲۷]۔ بلکہ اس کا مطلب ہے کہ قدیم قوموں کے لئے جو سخت احکام مقرر کئے گئے تھے ویسے سخت احکام امتِ محمدیہ کے لئے مقرر نہیں ہیں [۲۸]۔

انہیں آیات کی بناء پر ایک اور کلیہ بھی بنایا گیا ہے۔

الضرر یزال : نقصان دور کیا جائے:

تمام فقہاء کے نزدیک اس قاعدہ کلیہ سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ جب کوئی امر مصلحت عامہ سے تعلق رکھتا ہو تو حکومت انفرادی زندگی میں مداخلت کرسکتی ہے۔ جیسے جاہل طبیب کو مطب سے روک دینا اور کسی کے مکان کو اس خوف سے مسمار کردینا کہ کہیں دوسرے مکان آگ کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔ جب ضروری اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کی جاری ہو تو چیزوں کے نرخ مقرر کردینا اور بوقت ضرورت ذخیرہ اندوزوں کو غلہ فروخت کرنے پر مجبور کرنا وغیرہ [۲۹]۔

مولانا تقی امینی نے اسلامی احکام و قوانین کا مزاج بیان کرتے ہوئے یہ روایت نقل کی ہے۔

''اسلام میں نہ خود نقصان اٹھانا ہے اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے'' [۳۰]۔

گویا شریعت کا منشا یہ ہے کہ منافع کا حصول اور مضرت کا دفعیہ ہو۔ فقہاء نے اس اصول پر عمل درآمد سے چند اور مسائل کا بھی استنباط کیا ہے۔ اور مقررہ قاعدے کے مطابق خلل اور نقصان کو دفع کیا ہے۔ مثلاً ''خرید و فروخت کا معاملہ ہونے کے بعد عیب نکلنے کی وجہ سے معاملہ کا فسخ کا اختیار' اسی طرح خیار رویت' خیار شرط اور تمام وہ صورتیں اور حالتیں جن میں تصرفات سے روک دیا جاتا ہے۔ سب اسی پر مبنی ہیں۔ شفعہ اور کراہیت کے ابواب' قصاص' حدود' کفارہ

اور تلف کر دینے کی صورت میں ضمان کے احکام اور تقسیم کے معاملہ کو فقہا نے اس اصول کے ذیل میں شمار کیا ہے"(۳۱)۔

اس اصول کے تحت جزئیات میں قدرے تفصیل مذکور ہے۔ مثلاً جب رفع شر اور جلب منفعت میں تصادم کا سامنا ہو تو فقہا رفع شر کو ترجیح دیں گے (۳۲)۔ اسی طرح جب دو نقصان سامنے آئیں گے تو ان میں سے ہلکے نقصان کو اختیار کیا جائے۔ مثلاً جان بچانے کے لئے حیوان اور مال کے نقصان کی پرواہ نہ کی جائے گی (۳۳)۔

اسی کلیہ سے ملتا جلتا ایک اور اصول ہے یعنی

ضرورتوں کی بنیاد پر ممنوعات مباح ہو جاتی ہیں: اس اصول کی بنیاد پر فقہاء نے درج ذیل قسم کے اجتہادات کئے ہیں ''انتہائی بھوک کی حالت میں جان بچانے کے لئے مردار اور دیگر حرام اشیاء کا کھانا جائز ہے'' ۔''حلق میں لقمہ پھنس جائے تو شراب جیسی چیز سے گلوخلاصی کی اجازت ہے۔''

''جبر و زبردستی کی حالت میں زبان سے کلمہ کفر نکال دینا جائز ہے بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو'' اگر کوئی ایسا شخص کسی کا قرض ادا نہ کرتا ہو جس کے پاس مال موجود ہو تو قرض خواہ کے لئے مقروض کی اجازت کے بغیر قرض کی مقدار کے برابر مال لینا جائز ہے۔ (۳۴)

''حملہ آور کو ہر طریقہ سے ہٹانا جائز ہے خواہ اس میں حملہ آور کے قتل تک نوبت کیوں نہ آ جائے''

یہ تمام مسائل ظاہر کرتے ہیں کہ فروعی مسائل میں اجتہاد جاری ہے' پیش آنے والے مسئلہ کو متعلقہ کلیہ کے تحت رکھ کر دیکھا جائے گا اور پھر اس فرع کے تمام مسائل کے لئے کلیہ زیر غور کے مطابق اجتہاد کیا جائے گا۔

اس بحث میں یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ فقہا کے نزدیک اسی ضرورت کا اعتبار ہو گا جس کی بنا پر اس سے زیادہ اہم ضرورت کا فوت ہونا لازم نہ آئے۔ (۳۵)

نیز جو شے ضرورت کی بناء پر مباح ہو گی بس ضرورت کی مقدار تک مباح ہو گی اس سے زیادہ کی اجازت نہ ہو گی (۳۶)۔
مثلاً ''مضطر کو اس سے زیادہ حرام اشیاء کا استعمال جائز نہیں جتنی سے اس کی جان بچ جائے (۳۷)۔

اسی طرح طبیب اور دائی کو بقدر ضرورت ستر دیکھنے کی اجازت ہے' زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔ (۳۸)۔

آپ جانتے ہیں کہ فقہ اسلامی میں ''ضرورت اور علت'' کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلی کا تھوڑا سا پیشاب کپڑوں کو لگ جائے تو معاف ہے' برتن میں لگ جائے تو نہیں معاف ہے' کیونکہ عموماً برتن کو ڈھک کر رکھنے کی عادت ہوتی ہے اس لئے وہاں ضرورت نہیں ہے (۳۹)۔

امام شافعی نے اسی اصول سے استدلال کیا ہے کہ ''مجنوں کو ایک عورت سے زیادہ شادی کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے زیادہ کی اس کو حاجت نہیں ہے۔ پھر عورت کی حق تلفی کا اندیشہ ہے''(۴۰)۔ جس طرح ضرورت کے رفع ہو جانے سے رعایت بھی زائل ہو جاتی ہے اسی طرح۔

اصول......

"جو شے عذر کی بنا پر جائز ہے عذر کے زوال کے بعد اس کا جواز ختم ہو جائے گا" اسی بناء پر تیمم وغیرہ کی اجازت جن صورتوں میں ہے ان کے زائل ہونے کے بعد اجازت ختم ہو جائے گی۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ بوقت ضرورت اگر اپنی جگہ دوسرے کو گواہ بنانا پڑے یعنی مرض یا سفر کی ضرورت کے پیش نظر تو ان امور کے زائل ہونے کے بعد اصل گواہ کی حاضری ضروری قرار پائے گی۔ (۴۱) مشہور حدیث ہے "انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرء مانوی" (۴۲) یعنی انسانی اعمال کو ارادے اور نیت سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ یعنی ایک ہی عمل کو اگر دو مختلف ارادوں سے سرانجام دیا جائے گا تو کام کی حیثیت ارادہ اور مقصد کے پیش نظر متعین کی جائے گی۔

فقہاء نے شرف انسانی اور مفاد عامہ کے لئے اس بارے میں بھی ایک اصول بنایا ہے۔ یعنی الامور بمقاصدھا" "کاموں کا اعتبار ان کے مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے۔" مثال سے یوں سمجھئے۔ "اگر کوئی شخص پڑی ہوئی چیز اس نیت سے اٹھائے کہ اسے مالک کے حوالے کر دے گا تو جائز ہے اگر وہ اس چیز کو اپنے لئے اٹھائے تو غاصب کہلائے گا۔ دونوں صورتوں میں پڑی ہوئی چیز کا فعل تو یکساں ہے۔ لیکن نیت کے لحاظ سے حکم مختلف ہو جائے گا (۴۳)

فقہاء نے اس کلیہ سے بھی چند مسائل کا استنباط کیا ہے۔ مثلاً

"انگور وغیرہ کا شیرہ شراب کے لئے نہ ہو بلکہ تجارت اور سرکہ بنانے کے لئے تو جائز ہے"

"کسی سے تین دن سے قطع تعلق جائز نہیں لیکن مقصود قطع تعلق نہ ہو تو تین دن سے زیادہ میں بھی کوئی حرج نہیں"

اسی طرح شوہر کے علاوہ اور کسی کے لئے عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں لیکن اگر سوگ مقصود نہ ہو تو ترک زینت (سوگ کی شکل میں) وغیرہ تین دن سے زائد میں مضائقہ نہیں ہے (۴۴)

دور حاضر میں بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ پاک بھارت جنگ یا جہاد کشمیر اور خاص طور پر افغانستان کی صورت حال میں مسلمانوں سے لڑائی ہو رہی ہے لہٰذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کشمیر اور افغانستان میں جہاد ہو رہا ہے۔ مذکورہ کلیہ کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ کشمیر کے مسلمان بھارت کے آلہ کار ہو سکتے ہیں اسی طرح افغانستان میں شمالی اتحاد کے متفرق و منتشر اجزاء استعماری قوتوں کے مقاصد کی تکمیل کے لئے لڑ رہے ہیں۔ جبکہ "کشمیری مجاہدین" اور "طالبان" کے پیش نظر مسلمانوں کو نقصان پہنچانا نہیں ہے بلکہ ان کا اصل ہدف کفار ہیں۔ اس لئے سامنے جو مسلمان بھی ہوں گے انکا قتل جائز ہوگا۔ جیسا کہ مولانا محمد تقی امینی نے زیر بحث کلیہ کی شرح میں ارشاد فرمایا ہے۔ "اگر دشمن میدان جنگ میں مسلمانوں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں کے سامنے کر دیں، جوابی حملہ میں اگر ان کا مارنا مقصود نہ ہو بلکہ دشمن تک پہونچنا مقصود اس کے علاوہ اور کوئی شکل موجود نہ ہو تو مسلمانوں پر حملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں"۔ (۴۵) ایک اور مثال ملاحظہ ہو جو بسا اوقات میں پیش آ سکتی ہے۔

"اگر قرآن حکیم کو کوئی آیت نماز میں کسی شخص کے جواب میں تلاوت کی گئی تو نماز باطل ہو جائے گی اسی

طرح نماز میں کوئی خوشی کی بات سن کر" الحمدللہ" کہا یا ناگواری کی بات سن کر لا حول و لا قوۃ الا باللہ" کہا یا موت کی خبر پر انا اللہ و انا الیہ راجعون " کہا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ ان تمام صورتوں میں مقصود بدل جاتا ہے"(۴۶)۔ یقین سے اطمینان اور امن کی صورت پیدا ہوتی ہے جبکہ شکوک وشبہات سے بے چینی اور اضطراب پیدا ہوتا ہے اور آپ کو یاد ہوگا کہ فقہ اسلامی کی بنیاد قلت حرج پر رکھی گئی ہے۔ بعض اوقات شک کی بناء پر پریشان ہو جاتے ہیں۔ فقہاء نے ان حالات میں بے یقینی کی کیفیت کا ازالہ کرنے کے لئے ایک کلیہ بنایا ہے یعنی

الیقین لایزال بالشک "یقین شک سے زائل نہیں ہوتا"

اس اصول کی بنیاد حضور کی اس حدیث پر رکھی گئی ہے۔"جب کسی کے پیٹ میں گڑبڑ ہو اور یہ پتہ نہ چل سکے کہ وضو اور نماز کو توڑنے والی کوئی چیز پائی گئی ہے یا نہیں تو جب تک یقین نہ ہو جائے اس پر عمل نہ کرے اور بدستور وضو و نماز پر قائم رہے"(۴۷)۔ مولانا امینی نے اس حدیث کی یہ شرح بیان کی ہے۔ کیونکہ پہلے کی حالت یقینی ہے اور درمیان میں پیش آنے والی حالت میں تذبذب اور شک ہے اس لئے اس بنا پر یقینی حالت کو شک کی وجہ سے ختم کرنے کا حکم نہیں ہے"(۴۸) اسی سے ملتا جلتا ایک اصول یہ ہے کہ جو حالت پہلے تھی اسی کو باقی رہنے دینا اصل ہے۔ مثلاً کسی شخص کو طہارت کا یقین ہے لیکن غیر طہارت میں شک ہے تو طاہر مانا جائے گا۔ اسی طرح غیر طہارت کا یقین ہے اور طہارت میں شک ہے تو وہ غیر طاہر ہوگا کیونکہ اصل پہلے کی حالت ہے اسی کو حتی الامکان باقی رکھا جائے گا(۴۹)۔

<u>کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں شک ہو تو نہ کرنا اصل ہوگا:</u> مثلاً جس شخص کو طلاق دینے اور نہ دینے میں شک ہو تو طلاق نہ ہوگی اور اگر عدد میں شک ہو کہ دو طلاقیں دی ہیں یا تین تو اقل دو سمجھی جائیں گی" اسی طرح نماز کے پڑھنے یا نہ پڑھنے میں شک ہو تو دوبارہ پڑھنے کا حکم ہوگا اور اگر رکعت کی تعداد میں شک ہو تو دونوں میں کم مقدار تعداد صحیح سمجھی جائے گی۔ امام اور مقتدی کے درمیان رکعتوں کی تعداد میں اختلاف ہوا اور امام کو اپنی بات پر یقین ہے تو اس پر نماز لوٹانا ضروری نہیں ہے اور اگر یقین نہیں ہے تو لوٹانا ضروری ہے۔(۵۰)

اقل اور کثرت کے اس اصول میں چند صورتیں مستثنا بھی ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے پاس کئی قسم کا مال موجود ہے جس پر زکوۃ واجب ہونی چاہیے۔ مگر یہ شک ہوا کہ کل کی زکوۃ واجب ہے یا بعض کی تو کل کی زکوۃ ادا کرنی واجب ہوگی۔ اسی طرح طلاق اور وفات کی عدت میں شک ہوا تو اکثر کا اعتبار ہوگا' جسکی مدت زیادہ ہوگی وہ گزارنی پڑے گی(۵۱)۔

بعض معاملات میں' عدم اصل ہے' اور بعض میں' اصل وجود ہے' اول الذکر کی مثال یہ ہے' دو شرکاء کے درمیان نفع یا نفع کی مقدار میں اختلاف ہوا تو اس شخص کی بات کو ترجیح ہوگی جس نے نفع نہ ملنے یا کم ملنے کا اقرار کیا ہے۔ کیونکہ اصل عدم ہے' البتہ اگر فریق مخالف کے پاس قوی ثبوت ہے تو اس کے قول کا اعتبار ہوگا(۵۲)۔ اور موخر الذکر کی مثال یہ" کسی جانور کو جوان سمجھ کر خریدا پھر بیچنے والے اور خریدنے والے میں اختلاف ہوا تو بیچنے والے کا قول معتبر

ہوگا۔ کیونکہ جوانی صفات اصلیہ میں سے ہے لیکن اگر صریح دلیل سے اس کے خلاف ثابت ہوجائے تو خریدنے والے کی بات کا اعتبار ہوگا (۵۳)۔ جامع الصحیح بخاری کی روایت ہے کہ حلال کا حکم ظاہر ہے اور حرام کا حکم ظاہر ہے ان دونوں کے درمیان کچھ امور ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں''۔ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ کچھ امور ایسے ہوسکتے ہیں جن کے بارے میں شریعت نے وضاحت نہیں کی ہے۔ ان امور کے بارے میں فقہا نے ایک کلیہ کا ذکر کیا ہے۔

اشیائیں اصل اباحت ہے'': جن امور کے بارے میں حلال وحرام کی تصریح موجود ہے ان میں اشتباہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا' البتہ جن کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ موجود نہ ہو اور قوی دلیل کی بنا پر کسی ایک سمت کو ترجیح حاصل نہ ہوسکا اسی صورت میں مذکورہ اصول سے کام لیکر اس کی اباحت کا حکم دینگے۔ اس اصول کے استعمال میں بڑی دقیقہ رسی اور وسعت معلومات کی ضرورت ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض فقہا سے یہ قول منقول ہے کہ ''اشیاء میں اصل حرمت ہے'' بہرحال جن چیزوں سے عقل نہ روکے وہ سب مباح ہیں البتہ جن کی حرمت پر دلیل قائم ہو وہ اس سے مستثنٰی ہیں (۵۴)۔

اشیاء میں اصل اباحت ہو یا حرمت ''عورت کے بارے میں اصلی حرمت ہے'' حلت محض ضرورت کی بنا پر ہے' اس لئے ضرورت ہی کے لحاظ سے اس میں وسعت وتنگی ہے۔ انسان کی نفسیاتی' معاشی اور سماجی زندگی کبھی وسعت سے کام لینے پر مجبور کرتی ہے اور کبھی اس اس کو ضرورت نہیں ہوتی۔ اس بنا پر شریعت نے اصل حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے ضرورت رفع کرنے کے لئے نکاح کی اجازت دی ہے اور عدل کی شرط کے ساتھ چار تک کی گنجائش رکھی ہے اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو اِک ہی پر اکتفا کرنے کی ہدایت ہے۔ مثلاً عورت کے معاملہ میں حلت اور حرمت میں اختلاف کی صورت پیدا ہو' اور کسی کی دلیل سے ایک جانب کو ترجیح نہ ہوسکتی ہو تو حرمت کا غلبہ ہوگا۔ فقہا کے نزدیک عورت کے معاملہ میں اصل حرمت ہے' لیکن حلت کے ثبوت میں وہ ایک گواہ کو کافی قرار دیتے ہیں (۵۵)۔

مولانا تقی امینی نے طبرانی سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے ''مقررہ سزاؤں اور قتل سے جہاں تک ہوسکے اللہ کے بندوں کو بچاؤ'' (۵۶)۔ اسی طرح ترمذی ''کتاب الحدود'' سے حوالہ سے لکھا ہے۔ ''جہاں تک ہوسکے مسلمانوں کو مقررہ سزاؤں سے بچاؤ اگر گنجائش نکل سکتی ہو۔ اس لئے کہ حاکم کا معافی میں غلطی کرکے اللہ کے دربار میں حاضر ہونا سزا میں غلطی کرکے حاضر ہونے سے کہیں بہتر ہے۔ (۵۷)۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ان حدیثوں کا اطلاق صرف اس وقت ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ جب جرم کے ثبوت میں شبہہ موجود ہو۔ پھر حدود شریعت بھی ایک اصطلاحی لفظ ہے جو ان سزاؤں کے لئے مخصوص ہے جن کی مقدار شارع نے خود مقرر کردی ہے۔

''حدود شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں'': اس بناء پر ان کے ثبوت کے لئے شریعت نے ایسا اونچا معیار مقرر کیا ہے جو یقین کا فائدہ دے سکے۔ چنانچہ عورتوں کی شہادت اس معاملہ میں قابل قبول نہیں ہے۔ ایک حاکم کی تحریر دوسرے کے لئے حجت نہیں۔ گواہی در گواہی کی صورت میں جائز نہیں۔ غرض شریعت نے شبہ کا جو معیار مقرر کیا ہے ثبوت کے

ہوگی اور قتل کی وجہ دیت خون کی قیمت دینی پڑے گی۔اب بظاہر اس مسئلہ کا تعلق محولہ بالا کلیہ سے ہے کہ "ایک جنس میں دو معاملات" لیکن غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلہ میں جرم کی نوعیت ایک نہیں ہے بلکہ دو ہیں، یعنی بدکاری اور قتل ۔اسی لئے حدود اور دیت کی سزا دی جائے گی (۶۳)۔

مختصر یہ کہ ایک فقیہ اور مجتہد مسئلہ کی نوعیت، حقیقت، اسباب وعلل پر غور وخوض کر کے کسی ایک کلیہ کی بنیاد پر اجتہاد کرے گا۔جس کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ "قواعد کلیہ" میں اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے لیکن فروعی مسائل میں اجتہاد کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ چند اور کلیات اور انکے تحت جزئیات بیان کی جاتی ہیں، جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "قواعد کلیہ" میں اجتہاد کی ضرورت نہیں جبکہ فروعی مسائل میں اجتہاد کے بغیر اسلام کا دوام اور ہمہ گیریت ممکن نہیں ہے

جس چیز کا لینا حرام ہے اسکا دینا بھی حرام ہے: جیسے سود، کہانت کی اجرت اور رشوت وغیرہ۔لیکن چند صورتیں اس کلیہ سے مستثنیٰ بھی ہیں مثلاً اگر فاقہ کی نوبت ہو اور سودی قرضہ لینے کے علاوہ کوئی اور صورت نہ ہو تو بقدر ضرورت سود پر قرض لینا جائز ہے اگر جان ومال کے تلف کا قوی اندیشہ ہو تو رشوت دیکر جان ومال بچا لینا جائز ہے۔اسی طرح ایک اور اصول ہے۔"جس فعل کا کرنا حرام ہے اسکا دوسرے سے مطالبہ بھی حرام ہے" لیکن بعض صورتیں اس کے ذیل میں نہیں آتیں۔جزیہ کی مثال جس کا مطالبہ غیر مسلم سے جائز ہے حالانکہ مسلم ہونے کی وجہ سے خود نہیں ادا کرتا (۶۴)۔

محمد تقی امینی نے اپنی کتاب میں پورے سو اصول وکلیات بیان کئے ہیں ان میں سے کچھ کی تفصیل ڈاکٹر صبحی محمعانی نے بھی بیان کی ہے۔اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر چہ اصول وکلیات میں اجتہاد کی ضرورت نہیں رہی ہے، لیکن تمدنی ضروریات اور سائنسی ایجادات کے پیش نظر اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ مسئلہ درپیش ان جملہ اصول وقواعد کے ذیل میں زیر غور نہ لایا جاسکتا ہو تو فقہ اسلامی کے بنیادی اصول عدم حرج، قلت تکلیف (۶۵) وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بوقت ایسا کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔لیکن عام طور پر یہ کہنا ہی مناسب ہوگا کہ فقہانے اب تک جو "قواعد وکلیات" قائم کئے ہیں ان سے بیشتر مسائل کا استنباط کیا جاسکتا ہے۔بشرطیکہ فقیہ ان کے استعمال میں علمی بصیرت اور فنی مہارت رکھتا ہو۔مولانا امینی نے اس بارے میں دو باتوں کا اہتمام ضرور قرار دیا ہے "موقع ومحل کی مناسبت کو فقہانے کن مواقع پر کس طرح انہیں استعمال کیا ہے دوسرے یہ کہ بحیثیت اصول و کلیات کا علم ایسا نہ ہو کہ ایک اصول سے مسئلہ کا استدلال کیا جائے خواہ دوسرے کی خلاف ورزی لازم آئے" (۶۶)۔

حاصل بحث: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے جو نظام زندگی متعین کیا ہے اس کا نام دین اسلام ہے۔ان الدین عند الله الاسلام" (۶۷) مزید صراحت فرمائی کہ اس دین کے علاوہ اور کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه (۶۸)۔اس دین کی ایک بہت بڑی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ کامل ترین دین ہے۔الیوم اکملت لکم دینکم (۶۹) ان آیات کا منشاء یہ ہے کہ اسلام کامل ترین دین

لئے اس کی پابندی خود دی ہے (۵۸)۔

''قصاص'' جان کے بدلہ جان کا معاملہ ہے۔ وہ بھی حدود جیسا ہے۔ فقہا کہتے ہیں کہ قصاص بھی شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ قصاص بھی حدود کی مثل ہے جس طرح وہ شبہہ سے ختم ہو جاتا ہے اسی طرح یہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا ثبوت بھی اس طرح ہوتا ہے جس طرح حدود کا ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کو سوتے میں قتل کر دیا گیا اور قاتل نے کہا کہ مردہ ہونے کی حالت میں ذبح کیا ہے تو قصاص نہ ہوگا بلکہ ''دیت'' خون کی قیمت ورثاء کو دینی پڑے گی۔ قصاص کا حکم سننے کے بعد قاتل پاگل ہو گیا تو اس کو قتل نہ کیا جائے گا بلکہ خون کی قیمت ہی دینی ہوگی۔ یا کسی نے کسی سے کہا کہ مجھے قتل کر دے اور اس نے قتل کر دیا تو اس صورت میں بھی قصاص واجب نہ ہوگا لیکن قاتل مجرم قرار پائے گا (۵۹)۔

یہاں یہ امر لائق توجہ ہے کہ فقہا نے بعض جگہ قصاص کو حدود کی طرح تسلیم نہیں کیا مولانا نے ایسے سات مقامات کا ذکر کیا ہے۔ جو قصاص اور حدود کے فرق کو واضح کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں' مولانا لکھتے ہیں۔ قصاص گونگے کے اشارہ یا لکھ دینے سے ثابت ہو جاتا ہے' حدود اس طرح ثابت نہیں ہوتے۔ حدود میں کسی قسم کی سفارش قبول نہیں ہوتی یعنی حدود معاف نہیں کی جا سکتی بلکہ ثبوت کے بعد حدود کا اجراء ضروری ہوگا۔ لیکن قصاص میں اگر ورثاء مقتول قاتل کو معاف کر دیں تو یہ معافی درست ہوگی۔ (۶۰)

قانون کی اصطلاحات اور ادب میں حدود کے ساتھ ساتھ ایک اور لفظ تعزیر بھی آتا ہے اس سے مراد وہ سزائیں ہیں جو نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے سیاسۃً دی جاتی ہیں یا اخلاق و کردار درست کرنے کے لئے اصلاحاً دی جاتی ہیں۔ ان کی مقدار حدود سے کم ہوتی ہے۔ یہ سزائیں شبہ سے ساقط نہیں ہوتیں بلکہ

التعزیر یثبت مع الشبهة: تعزیر شبہہ کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے۔ فقہاء نے ان کے لئے یہ اصول مقرر کئے ہیں ''جن طریقوں سے مال کا ثبوت ہوتا ہے۔ ان ہی طریقوں سے تعزیر کا ثبوت بھی ہوگا۔ البتہ رمضان کے روزوں کا کفارہ اس اصول سے مستثنیٰ ہے کہ وہ شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتا ہے۔ جس طرح نسیان اور خطا سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے (۶۱)۔ ''جب ایک جنس کے دو معاملوں کا مقصود ایک ہو تو ایک دوسرے میں داخل ہو جائے گا'' فقہاء نے اس اصول کی بنیاد پر متعدد اجتہادات کئے ہیں۔ مثلاً غسل کو واجب کرنے والی دو چیزیں پائی جائیں تو ایک غسل کافی ہوگا' نماز میں کئی مرتبہ سہو ہو گیا جس سے سجدہ سہو لازم آتا ہے تو ایک مرتبہ سجدہ سہو کر لینا کافی ہوگا۔ اسی طرح کسی نے ایک ہی حرام کا کئی مرتبہ ارتکاب کیا ہو تو ایک حد سب کے لئے کافی ہوگی۔ لیکن اگر حدود جاری ہونے کے بعد دوبارہ پھر اسی جرم کا ارتکاب کیا تو دوبارہ حد جاری ہوگی (۶۲)۔

فروعی مسائل میں اجتہاد ناگزیر ہے: اس ضمن میں اصل بات یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں علت کا معلوم کرنا اور بنیادی قواعد کلیہ سے اس کا تعلق معلوم کرنا۔ مثلاً کسی عورت کے پاس گیا اور پھر اس کو قتل کر دیا تو بدکاری کی حد جاری

ہے اور قیامت تک انسانوں کے مسائل خواہ ان کا تعلق سیاست سے ہو' معاشرت سے ہو' معیشت سے ہو' اخلاقیات یا زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہو' ان تمام مسائل کو اسلام کے مطابق حل کیا جائے گا۔ بے دین قوموں کیلئے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ امت مسلمہ کیلئے ہے وہ نت نئے مسائل دینِ اسلام کی روشنی میں کیسے حل کرے یہ امر ہر دور میں امت کی فکر کا ایک ناگزیر مسئلہ رہا ہے' اور رہے گا۔ چنانچہ مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری نے لکھا۔

''زمانہ ہمیشہ آگے بڑھتا جائے گا اور پھر ہر دور میں نئے نئے مسائل زندگی پیدا ہوتے جائیں گے۔ جو قوم ان مسائل کو اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق حل نہیں کرے گی وہ زمانے کی دوڑ میں پیچھے رہ جائے گی۔ صحیح معنوں میں زندہ قوم وہی ہوگی جو ''مجتہد'' ہو' اس کا مطلب یہ ہے کہ قوم اپنے دور کے نت نئے مسائل کو سمجھے اور عصری تقاضوں کے مطابق ان کو حل کرے (۷۰)۔

فقہاء نے جو ''اصول وکلیات'' کی تشکیل وتدوین اور انکے تحت جس قدر مسائل کا استنباط کیا ہے اسلام کی اسی ضرورت کے پیش نظر کیا ہے۔ اب پیش آمدہ مسئلہ کو انہیں اصول وقواعد کے پس منظر میں دیکھ کر اسکا حل تجویز کیا جائے گا۔ اسلئے یہ کہنا بجا ہے کہ قواعد کلیہ مین تو اجتہاد کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن فروعات میں اجتہاد کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔

کتابیات

قرآن مجید۔

اسمٰعیل سلفی' مولانا محمد' تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی' مکتبہ نذیریہ چیچہ وطنی' جون ۱۹۶۹ء

اشرف علی تھانوی' مولانا — الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد' ادارہ اسلامیات' لاہور' اشاعت اول ۱۹۸۵ء

اشرف علی تھانوی' مولانا — التکشف عن مھمات التصوف' سجاد پبلشرز ' لاہور

اشرف علی تھانوی' مولانا — الافاضات الیومیہ' اشرف المطابع' تھانہ بھون' حصہ اول' سن ندارد

اشرف علی تھانوی' مولانا — انفاس عیسیٰ' اشرفیہ کتب خانہ دہلی' سن ندارد

رحیم بخش' مولانا حافظ — ''حیات ولی'' مکتبہ السلفیہ لاہور ۱۵ر مارچ ۱۹۵۵ء

راغب اصفہانی' امام — مفردات القرآن' شمس الحق' لاہور' سن ندارد' حصہ اول

رفیع عثمانی' مفتی مولانا — ''عصر حاضر کے تقاضے اور اجتہاد کی ضرورت'' ترجمان القرآن' لاہور

تنزیل الرحمان' ڈاکٹر — "Ijtihad" doors is open" ماہنامہ البلاغ' کراچی جون ۱۹۹۹ء

تقی امینی' مولانا — فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر' قدیمی کتب خانہ' آرام باغ' کراچی' ستمبر ۱۹۹۱ء

جعفر پھلواری' مولانا شاہ — ''اجتہادی مسائل'' ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور' طبع دوم ۱۹۸۳

جمیل احمد تھانوی' مولانا مفتی' عصری' علامہ محمد — ''اسلام میں اجتہاد'' سہ ماہی منہاج غیر لاہور کا اجتہاد نمبر ۱۹۸۳ء

سرور، پروفیسر محمد — ارمغان شاہ ولی اللہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۰

شاہ ولی اللہ — عبدالمجید بحوالہ ارمغان شاہ ولی اللہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۸

شاہ ولی اللہ — حجۃ اللہ البالغۃ، نور محمد اصح المطابع، آرام باغ، کراچی، سن ندارد، حصہ اول

شاہ ولی اللہ — فیوض الحرمین، مدنی کتب خانہ، لاہور، بار اول، سن ندارد

شبلی نعمانی، مولانا — علم الکلام، نفیس اکیڈیمی، کراچی، طبع سوم، نوم ۱۹۷۹ء

صبحی محمصانی، پروفیسر — فلسفہ شریعت اسلام، ترجمہ محمد احمد اصغری، مجلس ترقی ادب، لاہور، جون ۱۹۸۱

طیب، قاری محمد — مسلک علمائے دیوبند، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۹۴ء

ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر — مجتہد اوصاف و شرائط، شمولہ سہ ماہی منہاج لاہور کا اجتہاد نمبر ۱۹۸۳ء

کاندھلوی، مولانا محمد علی — امام اعظم اور علم الحدیث، انجمن دار العلوم شہابیہ، سیالکوٹ، اپریل ۱۹۸۱ء

لوئین معلوف — المنجد، دارالاشاعت کراچی

حواشی

۱۔ مولانا محمد امینی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی ستمبر ۱۹۹۱ء صفحہ ۲۳۸

۲۔ ایضاً صفحہ ۲۲۶۔ ۳۔ ایضاً صفحہ ۳۰۴۔

۴۔ ایضاً صفحہ ۳۰۸۔ ۵۔ ایضاً صفحہ ۳۱۲۔

۶۔ فقہ اسلامی کا تاریخی منظر، ص ۲۳۸

۷۔ علامہ محمد خضری، ''تاریخ فقہ اسلامی'' مترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی، اسلامی اکادمی، لاہور، سن ندارد

۸۔ ڈاکٹر صبحی محمصانی، ''فلسفہ شریعت اسلام''، مترجم محمد احمد رضوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع ششم جون ۱۹۸۱ء ص ۳۳۶

۹۔ ایضاً ص ۳۳۱

۱۰۔ المنجد، ''(حریت) لوئیس۔ اور تہذیب، مفتی محمد شفیع۔ دارالاشاعت، کراچی، ۲۳ ستمبر ۱۹۷۴ء ص ۱۴۱

۱۱۔ فلسفہ شریعت اسلام، ص ۳۳۱ ۱۲۔ فلسفہ شریعت اسلام، ص ۳۳۳

۱۳۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ ص ۲۳۹ ۱۴۔ فلسفہ شریعت اسلام، ص ۳۴۴

۱۵۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۴۲ ۱۶۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۵

۱۷۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۸۶ ۱۸۔ سورۃ النساء، آیت ۲۸

۱۹۔ فلسفہ شریعت اسلام، ص ۳۴۳، یہ حکم سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۰ سے ماخوذ ہے۔

۲۰۔ اس سے مراد ترکی کا ضابطہ دیوانی ہے، یہ ''مجلہ احکام عدلیہ'' کا مخفف ہے، اس کی تکمیل و تدوین ۱۸۶۹ء۔۱۸۷۲ء کے درمیان کی ہے۔ اس مجلہ کو سات آدمیوں پر مشتمل ایک مجلس نے مرتب کیا جس کا صدر ''احمد جودت پاشا'' تھا، یہ مجلہ حنفی مذہب کے مطابق فقہ کے

اس حصے کا ضابطہ ہے جو معاملات سے متعلق ہے۔ مجلّہ کے مقدمہ میں ایک سو دفعات تو ایسی ہیں جو اصول و قواعد سے متعلق ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہور، طبع اول ۱۹۸۵ء جلد ۱۸، ص ۵۸۵۔۵۸۶)　　۲۱۔ فلسفہ شریعت اسلام ص ۳۴۴

۲۲۔ یہ مجلّہ کی دفعہ ۳۲ ہے جس کو پروفیسر صبحی محمصانی نے اپنی کتاب ''فلسفہ شریعت اسلام'' کے ص ۳۱۴ پر لکھا ہے۔

۲۳۔ مثلاً کمسنی، دیوانگی، مرض، جبر، بھول اور ناواقفیت جیسے مواقع (فقہ اسلامی کا پس منظر، ص ۲۴۲)

۲۴۔ دیکھئے فلسفہ شریعت اسلام، ص ۳۴۴ تا ۳۴۶　　۲۵۔ سورۃ الحج آیت ۷۸۔

۲۶۔ سورۃ المائدۃ، آیت ۶　　۲۷۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۲۴۶

۲۸۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۲۵۱　　۲۹۔ فلسفہ شریعت اسلام، ص ۳۴۹

۳۰۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ ص ۲۶۳　　۳۱۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ ص ۲۶۵

۳۲۔ فلسفہ شریعت، اسلام، ص ۳۵۰　　۳۳۔ ایضاً ص ۳۵۱ نیز ملاحظہ ہو فقہ اسلامی کا پس منظر، ص ۲۶۶

۳۴۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۶۶　　۳۵۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۶۶

۳۶۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۶۷　　۳۷۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۶۷

۳۸۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۶۷　　۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ ایضاً　　۴۱۔ ایضاً ص ۲۶۸

۴۲۔ صحیح بخاری کی پہلی حدیث ہے، مفصل اور تحقیقی شرح کے لئے ملاحظہ ہو، علامہ شبیر احمد عثمانی کی فضل الباری (شرح) صحیح بخاری، ادارۂ علوم شرعیہ، کراچی، ایڈیشن نومبر ۱۹۷۳ء ص۔۱۳۶

۴۳۔ فلسفہ شریعت اسلام۔ ص۔ ۳۵۶

۴۴۔ مفصل بحث اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۸۷، ۲۸۸

۴۵۔ ایضاً　　۴۶۔ ایضاً ص۔۸۸　　۴۷۔ ایضاً　　۴۸۔ ایضاً ص ۲۸۹　　۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ ایضاً ص ۲۹۰　　۵۱۔ ایضاً ص ۲۹۱　　۵۲۔ ایضاً　　۵۳۔ ایضاً ۲۹۲

۵۴۔ ایضاً ص ۲۹۳　　۵۵۔ ایضاً ص ۲۹۴　　۵۶۔ ایضاً ص ۲۹۵　　۵۷۔ ایضاً

۵۸۔ ایضاً ص ۲۹۷　　۵۹۔ ایضاً ص ۲۹۷، ۲۹۸　　۶۰۔ ایضاً ۲۹۸　　۶۱۔ ایضاً ص ۲۹۹

۶۲۔ ایضاً　　۶۳۔ ایضاً ص ۳۰　　۶۴۔ ایضاً ص ۳۰۱

۶۵۔ تاریخ فقہ اسلامی، ص ۱۷　　۶۶۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ ص ۳۷۱

۶۷۔ سوہ آل عمران، آیت ۲۹　　۶۸۔ سورۃ ال عمران، آیت ۸۵

۶۹۔ سورۃ المائدۃ، آیت ۲۳

۷۰۔ مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری، اجتہادی مسائل، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۳ء ص ۱۸